بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

۱۸ / اپریل ۱۹۹۳ کو صدر مملکت نے ایک مرتبہ پھر عوام کی منتخب کردہ قومی اسمبلی کو توڑ دیا ' اور وفاقی کابینہ کو برطرف کر دیا۔ یہ کوئی نیا یا انوکھا حادثہ نہیں ' کہ پاکستان میں روز اول ہی سے اسمبلیوں جیسے جمہوری اداروں کا مقدر یہی رہا ہے کہ وہ ایک فرد واحد کے من مانے حکم پر توڑی جاتی رہیں۔ یہ فعل جب بھی کیا گیا ' قابل مذمت تھا۔ لیکن گزشتہ پانچ برس کی قلیل مدت میں تیسری مرتبہ اعلیٰ ترین دستوری ادارہ کا اس طرح ختم کر دیا جانا نہ صرف ایک سخت تشویش ناک حادثہ ہے ' بلکہ ہر مسلمان کا بحیثیت مسلمان ' اور ہر محب وطن پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ اس کی شدید مذمت کرے۔ دستور و قانون کی زبان کے مطابق اس اقدام کی قانونی حیثیت کا معاملہ تو اب عدالت عالیہ کے سامنے ہے اور ہم اس بارہ میں کوئی رائے زنی نہیں کرنا چاہتے ' لیکن ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ عوام کے منتخب کردہ جمہوری ادارہ کو ایک فرد واحد کی طرف سے اس طرح کالعدم کر دیے جانے کا کوئی اخلاقی یا سیاسی جواز موجود نہ تھا۔ اور وہ بھی ایسے صواب دیدی اختیار کے تحت جو مارشل لا کی لٹکتی تلوار کے سایہ تلے حاصل کیا گیا تھا ' جو آغاز ہی سے متنازعہ رہا ہے ' اور جس کی ہم نے اسی وقت مخالفت کی تھی جب یہ اختیار مانگا گیا تھا ' اور دیا گیا تھا۔ یہ اختیار ۱۹۷۷ کے تجربہ کی روشنی میں صدر اور وزیراعظم کے درمیان توازن کے نام پر حاصل کیا گیا تھا ' اور خیال یہ تھا کہ یہ انتہائی غیر معمولی اور ہنگامی حالات میں قوم کو صرف کسی حادثہ سے بچانے ہی کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ لیکن گزشتہ پانچ برسوں کا تجربہ یہ بتا رہا ہے کہ ہر وہ حالت " غیر معمولی اور ہنگامی " ہے ' قوم کو " حادثہ " سے دوچار کرنے والی ہے ' جو صدر مملکت کو ناپسند ہو ' یا ان کے مفاد کے خلاف ہو۔ کیا اعلیٰ ترین دستوری اداروں کو اس طرح

ایک فرد واحد کے رحم و کرم پر چھوڑا جانا کسی طرح بھی قبول ہو سکتا ہے ؟

دکھ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ گزشتہ چالیس سال سے ملک کے سیاسی نظام کے ساتھ مسلسل یہی کھیل کھیلا جا رہا ہے کہ ایک فرد واحد ' کبھی بصورت صدر اور کبھی بصورت جنرل ' جب چاہتا ہے ' برے بھلے منتخب اداروں کو بیک بنی ودوگوش رخصت کر دیتا ہے۔ کردار بدلتے رہے ہیں ' پلاٹ ایک رہا ہے ' مزید افسوس کی بات اب یہ ہے کہ یا تو ملک میں انتخابات ہوتے ہی نہ تھے ' اور ہوتے تھے تو بنیادی جمہوریت ' بالواسطہ رائے دہی اور غیر جماعتی انتخابات جیسے حربوں کے تحت ' اور یا اب حال میں برے بھلے انتخابات ہونے لگے ' تو منتخب اداروں کو کام کرنے کا موقع دینے سے پہلے ان کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ ان جاگیردار اور بیوروکریٹ سیاست دانوں کی بداعمالیوں سے انکار نہیں جنھوں نے آغاز پاکستان ہی سے سیاست پر قبضہ جما کر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے ' لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ ملک میں طویل عدم استحکام کا ' بلکہ اس کے دو لخت ہو جانے کا ' سب سے بنیادی سبب جمہوری اداروں کا نہ ہونا ' ان کا بے اختیار ہونا ' اور ان کی زندگی اور قسمت کا اختیار ایک فرد واحد کی مٹھی میں ہونا ہی ہے۔

گزشتہ چالیس سال میں ایسے تمام اقدامات کو جائز ثابت کرنے کے لیے تقریباً ایک ہی قسم کے الزامات طوطے کی طرح رٹے جاتے رہے ہیں۔ ۱۹۵۴ میں اس وقت کے گورنر جنرل کی طرف سے دستور ساز اسمبلی توڑتے ہوئے جو کہا گیا ' یا ۱۹۵۸ میں نوزائیدہ دستور اور اسمبلی دونوں کا گلا گھونٹتے ہوئے اس وقت کے صدر اور کمانڈر انچیف نے جو ارشاد فرمایا ' ۱۹۶۹ ' ۱۹۷۷ ' ۱۹۸۸ یا ۱۹۹۰ ' کے اقدامات کے وقت جو دلائل دیے گئے ' یا آج ۱۹۹۳ میں قومی اسمبلی توڑتے ہوئے جو جواز پیش کیا گیا' آپ دیکھ لیں ان کے درمیان کوئی جوہری فرق نہیں۔ شاید ایسے ہی لوگوں پر قرآن مجید کی یہ آیت صادق آتی ہے کہ أَتَوَاصَوْا بِهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ (کیا ان سب نے آپس میں اس پر کوئی سمجھوتہ کر لیا ہے ؟ نہیں ' بلکہ یہ سب سرکش لوگ ہیں)

وہی عوام کے نام اور ملک بچاؤ کی دہائی ' وہی جمہوریت کی نقاب اور اس سے وفاداری اور اس کے تحفظ کا دم بھرنا ' وہی عوام کے اختیار کی بالاتری ' اور ان کو اقتدار منتقل کرنے کا اقرار ' اور انتخابات کا وعدہ ' وہی امن و امان کی خرابی ' معاشی بدحالی ' بدعنوانی اور رشوت خوری ' دستور کی خلاف ورزی ' اختیارات سے تجاوز اور ان کے غلط استعمال اور مفاد پرستی کے الزامات ۔ ہم ان کے صحیح یا غلط ہونے کی بحث میں نہیں پڑتے ' لیکن جن لوگوں نے یہ الزام لگائے ان کو پورے پورے اداروں پر جج بننے کا حق کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے ؟ جب کہ وہ خود ملزمین سے کسی

طرح بھی مختلف نہ تھے نہ ہیں ' یا ان کے چنیدہ وہ افراد جن کو انہوں نے جانے والوں کی جگہ مسند اقتدار پر لا کر بٹھایا۔ یہ نام کے لیاقت علی خان ' غلام محمد ' سکندر مرزا ' ناظم الدین ' محمد علی بوگرہ ہوں ' یا غلام اسحاق خاں ' ضیاء الحق ' جونیجو ' نواز شریف ' بے نظیر آصف زرداری یا بلخ شیر مزاری۔

آج کے حالات کو ذرا غور سے دیکھیے ' آج جن کو برطرف کیا گیا ہے ' ۱۹۸۸ میں اسمبلی برطرف ہوئی تو یہی چہیتے اور منظور نظر تھے۔ ۱۹۹۰ میں اسمبلی توڑی گئی تو ہما ان ہی لوگوں کے سر پر بیٹھا بلکہ ان ہی لوگوں کو برسراقتدار لانے کے لیے اسمبلی توڑی گئی ' جن کو سنگین الزامات لگا کر نکالا گیا ' وہی سب دوبارہ اسمبلیوں میں آ کر بیٹھ گئے۔ آج وہی جو ۱۹۹۰ میں محبوب تھے ' اتنے مغضوب ہو گئے کہ کوئی خرابی ایسی نہیں جس سے وہ پاک ہوں۔ بلکہ ابھی ۴ ماہ پیشتر کی بات ہے کہ صدر مملکت نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ' چند بالواسطہ تنقیدوں کے باوجود اس حکومت کو "اچھے چال چلن" کا سرٹیفکیٹ عنایت فرمایا۔ پھر یہ چار ماہ میں کیا انقلاب ماہیت ہو گیا!

کیا یہ کہ صدر مملکت کے آئندہ پانچ برس کے لیے انتخاب کی مہم شروع ہوئی اور وزیراعظم اس بینڈ ویگن پر سوار نہ ہوئے ؟ کیا یہ کہ وزیراعظم نے آٹھویں ترمیم کے تحت صدر کے صوابدیدی اختیار ختم کرنے کی بات شروع کر دی ؟ کیا یہ کہ وزیراعظم نے چیف آف آرمی اسٹاف کے عہدہ کے لیے صدر کے تجویز کردہ پہلے نام پر صاد نہ کی ؟ کیا یہ کہ سابق چیف آف آرمی سٹاف کی اہلیہ نے وزیراعظم کے دو رفقاء پر اپنے شوہر کے قتل کا الزام لگا دیا تھا ؟ گزشتہ چار ماہ میں وقوع پذیر ہونے والے اہم واقعات تو یہی ہیں۔ صدر مملکت کی بقیہ چارج شیٹ کا تعلق تو صرف ۲۹ ماہ نہیں ' بلکہ ۸ سال کی مدت پر محیط ہے۔ آٹھویں ترمیم کا معاملہ ہو یا صدر مملکت کی مزید پانچ برس کے لیے صدر بننے کی خواہش ' یہ سیاسی معاملات تھے ' منتخب اداروں کو توڑے بغیر سیاسی طور پر حل کیے جا سکتے تھے ' اور بڑی حد تک حل کیے بھی جا چکے تھے۔ باقی اگر صدر مملکت کے پاس الزامات کی ایک فائل موجود تھی ' تو اس کے ازالہ کا دستوری راستہ یہی تھا کہ وہ اسے اسمبلی کے سامنے پیش کر کے وزیراعظم کو اسمبلی کے ذریعہ معزول کراتے۔ لیکن سارے شواہد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جناب صدر ' وزیراعظم کو نکالنے کا تہیہ کر چکے تھے ' اور ایک بزرگ سیاست دان اور ملک کے اعلیٰ ترین منصب کا حامل ہونے کی حیثیت سے ملک کے سیاسی اداروں کو صحیح رہنمائی فراہم کرنے اور ان کو مستحکم کرنے کے بجائے وہ ان عناصر کے درمیان گھر چکے تھے جو سیاسی

اداروں کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

پھر کیا صدر محترم کی طرف سے حکومت کے خلاف چارج شیٹ کے ضمن میں چیف آف آرمی سٹاف کی تقرری کے مسئلہ کو رکھنا اور بیگم آصف نواز کی داد رسی کا وعدہ کرنا ' دونوں ہی ' فوج کو سیاست میں گھسیٹنے کی افسوسناک کوشش نہیں ہے۔

تعجب کی بات یہ بھی ہے کہ وزیراعظم کی کابینہ کے وزراء ' دیگر عہدہ دار ' ایوان صدر میں جا جا کر اپنے استعفے پیش کرتے رہے ' مگر اسمبلی کو طلب نہ کیا گیا۔ ادھر جب اسپیکر نے اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا جو وزیراعظم پر اعتماد یا عدم اعتماد کا فیصلہ کرنے کا آخری مجاز ادارہ تھا ' تو جناب صدر نے اسی رات اس مجاز ادارہ ہی کو چلتا کر دیا۔ سیدھی انگلیوں سے گھی نہ نکلتا ہو تو ٹیڑھی انگلیوں ہی سے سہی۔ چارج شیٹ ساری کی ساری وزیراعظم کے خلاف تھی ' تو پھر پوری اسمبلی کو کس قصور کی سزا دی گئی !

سب سے بڑھ کر بے اصولی کا مظاہرہ یہ ہوا کہ ایک "بدعنوان" حکومت کو برطرف کر کے جو نگراں حکومت بنائی گئی ' اس کی اکثریت سکہ بند جاگیرداروں پر مشتمل ہے جو مرغ بادنما کی طرح کبھی مسلم لیگ میں ' کبھی کنونشن لیگ میں ' کبھی پیپلز پارٹی میں اقتدار کے ساتھ ساتھ اپنا قبلہ تبدیل کرتے رہے ہیں ' اور جن کے مظالم اور بدعنوانیوں پر ان کا ایک ایک مزارع شاہد ہے۔ یا پھر اس کی سیاسی بنیاد وہ پارٹی ہے جس کی حکومت کو بمع اسمبلی ' جناب صدر خود ہی ۳۳ ماہ قبل ' ٹھیک اسی قسم کے الزامات لگا کر ' گھر بھیج چکے تھے۔ اس پارٹی کے جو سیاسی لیڈر برطرفی کے وقت ان کے دائیں بائیں بیٹھے تھے ' ان کے خلاف ان کے اپنے دائر کردہ بدعنوانیوں کے ریفرنس اب تک عدالتوں میں زیر سماعت ہیں ' اور ان کی پیروی پر حکومت ۲ ارب روپے کے لگ بھگ خرچ کر چکی ہے۔ یہی وہ پارٹی ہے جس نے ۱۹۷۷ کے انتخابات میں اس پیمانہ پر دھاندلیاں کیں کہ پورا ملک اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ کیا اب پھر یہ پارٹی اسی قسم کے "منصفانہ" انتخابات کرائے گی ؟ یہ وہی پارٹی ہے جس نے اپنی حکمرانی کے دونوں ادوار میں ' عوامی حقوق کی پامالی ' ان پر ظلم و ستم ' سنگین بدعنوانیوں اور عدلیہ کے خلاف کارروائیوں کے نئے نئے ریکارڈ قائم کیے۔ کیا اب وہ ان تین ماہ میں ان ریکارڈوں کو اور "بہتر" بنانے کا کارنامہ سرانجام دے گی ؟

اس تناظر میں کیا ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب نہ ہوں گے کہ صدر مملکت کا حالیہ اقدام بنیادی طور پر انا ' عناد اور اپنے مفاد کی حفاظت کی فکر کا شاخسانہ ہے ؟

آج ملک عزیز جس بحران کا شکار ہے اس کی بنیادی وجہ وہ بے اصول سیاست ہے جو اس ملک میں آغاز ہی سے غالب ہے۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ اس کی جڑیں صرف ایوان صدر ہی میں گہری اتری ہوئی نہیں ہیں ' بلکہ وزیراعظم ہاؤس بھی کچھ پیچھے نہیں۔ سابق وزیراعظم نے اپنے ڈھائی سالہ دور اقتدار میں عوامی بھلائی کے چند کار آمد منصوبوں کا آغاز تو ضرور کیا ' لیکن ساتھ ہی انہوں نے شروع ہی سے سنگین غلطیوں کا آغاز بھی کر دیا۔

اسلامی جمہوری اتحاد کے نام ' اور اس کے منشور کی بنیاد پر مینڈیٹ لے کر انہوں نے اقتدار سنبھالا ' لیکن اقتدار سنبھالتے ہی انہوں نے ' بار بار سمجھانے کے باوجود ' اتحاد کی بساط لپیٹ دی ' اپنے حلیفوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ' اور اتحاد کے منشور کو پس پشت ڈال دیا۔ جس شریعت بل کو پاس کرنے کے وعدے وہ انتخابی جلسوں میں ببانگ دہل کرتے اب اس کو انہوں نے پاس کیا تو مسخ شدہ صورت میں۔ قرآن و سنت کی بالادستی کی جس دستوری ترمیم کا مژدہ سنا کر وہ عمرہ کے سفر پر روانہ ہوئے ' اسے روز روشن دیکھنا نصیب نہ ہوا ' نہ اس کا ذکر پھر کبھی ان کے لبوں پر آیا۔ سود کو کورٹ نے خلاف شریعت قرار دیا ' تو ان کی حکومت سود کے حق میں مہم چلاتی رہی ' اپیل کرنے عدالت میں گئی ' اور سودی نظام کو فروغ دیتی رہی۔ ان کے وزراء جب تک اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف بولتے رہے ' ان کے دل میں کوئی خلش پیدا نہ ہوئی ' لیکن جیسے ہی وہ ان کے خلاف ہوئے ' انہوں نے ان کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا۔ قومی اعتبار سے اہم ترین فیصلے اور ساری قانون سازی وہ اس اسمبلی سے بالا بالا کرتے رہے جس کے لیے وہ آج آنسو بہا رہے ہیں۔ اس اسمبلی کے لیے ان کے پاس وقت نہ ہوتا تھا ' اور سینیٹ کے لیے تو وہ ڈھائی سال میں مشکل سے صرف دو دن نکال سکے۔ کابینہ کو اعتماد میں لینا ان کی روش نہ تھی۔ چند افراد پر مشتمل ایک کچن کابینہ ہی اصل کرتا دھرتا تھی ' اور اس کے ارکان بھی وزیراعظم سے شاکی رہتے تھے۔ بڑے بڑے اقتصادی منصوبے قواعد و ضوابط کو نظر انداز کر کے بالا بالا منظور کیے جاتے رہے۔ نج کاری کے عمل پر شک و شبہ اور سنگین الزامات کا گہرا غبار چھایا رہا۔ اپوزیشن کے خلاف بھی نازیبا الفاظ استعمال کرنے سے انہوں نے گریز نہ کیا۔

الغرض ' انہوں نے اپنے کسی عمل سے دستوری و جمہوری اداروں اور عمل کو مستحکم نہیں کیا۔ اور بالآخر وہ اپنی ان عاجلانہ ' بلا جواز ' اور غیر حکیمانہ تدابیر کا خود ہی شکار ہو گئے ' جو وہ اختیارات کلی حاصل کرنے کی طلب میں ' برسر اقتدار آنے کے بعد ہی سے اختیار کر رہے تھے ' اور جن کا ایک مظہران کا مجوزہ بارھویں دستوری ترمیم بل تھا۔

جماعت اسلامی کا ابتدا سے یہ موقف رہا ہے کہ ملک کے حکمرانوں کا عزل و نصب بالغ مسلمان عوام کی رائے دہی سے ہونا چاہیے۔ ملک میں جمہوری نظام کو قائم اور مستحکم ہونا چاہیے' جمہوری اداروں کو کام کرنے کا پورا موقع ملنا چاہیے۔ یہ مغربی جمہوریت نہیں' ہمارے دین و ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ موجودہ اسمبلیوں کے بارہ میں بھی ہماری پالیسی یہی تھی کہ ان موجودہ اسمبلیوں کو اپنی انتخابی مدت مکمل کرنے کا موقع ملنا چاہیے' لیکن اس کا دارومدار ہماری خواہش سے زیادہ تو خود حکمرانوں کے طرز عمل پر تھا۔ ہمارے سمجھانے کے باوجود حکمرانوں کے مابین محاذ آرائی میں ہر روز اضافہ ہوتا رہا۔ اور آخر کار جس کا اندیشہ تھا وہی ہو کر رہا اور قومی اسمبلی توڑ کر وفاقی کابینہ کو برطرف کر دیا گیا۔

ہم کہتے ہیں کہ جمہوریت کی گاڑی کے بار بار پٹڑی سے اترنے کی ذمہ داری سے جناب صدر' وزیراعظم' حکومت اور اپوزیشن کوئی بھی خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا۔ حالات سخت تشویش ناک صورت اختیار کر گئے ہیں۔ ملک ایک دلدل میں پھنس گیا ہے۔ اس بات کا پورا اندیشہ ہے کہ بیرونی اور اندرونی سازشوں کے نتیجہ میں ملک کو واپس ۱۹۵۸ میں پہنچا دیا جائے' اور دستور کی بساط لپیٹ دی جائے۔ تمام محب وطن عناصر کا یہ فرض ہے کہ وہ اس آڑے وقت میں رہنمائی کا فریضہ انجام دیں اور ملک و ملت کو اس آزمائش سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

برطرف کی جانے والی حکومت کے ارکان کا فرض ہے کہ وہ اپنی شکایات کے ازالہ کے لیے آئینی اور جمہوری طریقوں پر عمل کریں' اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو ملک کو موجودہ بحران سے زیادہ کسی اور سنگین تر بحران میں مبتلا کر دے۔ شکایات کے ازالہ کا مناسب ترین حل یہی ہے کہ اعلٰے عدالتوں کے فیصلے کا انتظار کیا جائے اور جو فیصلہ بھی ہو' اسے قبول کیا جائے۔

اگر عدالتی فیصلے کے نتیجے میں اسمبلی بحال نہ ہو' تو پھر ہماری نظر میں ملک کا مفاد اسی میں ہے کہ دستور کی متعین کی ہوئی نوے دن کی مدت کے اندر آزادانہ 'منصفانہ' اور غیرجانبدارانہ انتخابات کرائے جائیں۔ اگر کسی حیلے یا بہانے سے اس مدت میں توسیع کی سازش کی گئی یا انتخابات کے عمل میں رکاوٹ کھڑی کی گئی تو یہ ملک کے ساتھ شدید ترین دشمنی کے مترادف ہو گی۔

اس مقصد کے لیے یہ بالکل ناگزیر ہے کہ نگران حکومتیں ایسے سپریم کورٹ اور ہائیکورٹ کے ریٹائرڈ ججوں اور غیر سیاسی ماہرین پر مشتمل ہوں جو جماعتی وفاداریوں سے بالا تر ہوں اور انتخابات کو حقیقی معنوں میں منصفانہ اور غیر جانبدارانہ بنا سکیں۔ ان افراد کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ الیکشن

میں حصہ نہ لیں۔

جماعت اسلامی پاکستان کا موقف ہمیشہ یہ رہا ہے کہ ملک کے سیاسی مسائل کے حل کا واحد راستہ وہی ہے جو دستور اور آئین کے مطابق ہو۔ جس ملک نے بھی سیاسی مسائل کے حل کے لیے فوجی مداخلت اور مارشل لا کا سہارا لیا ہے وہ تباہی سے دوچار ہوا ہے ' اور ہم خود تین بار یہ خطرناک تجربہ کر چکے ہیں۔ ہم اپنی محب وطن فوج اور اس کی قیادت سے یہی توقع کرتے ہیں کہ وہ دستور کی حفاظت اور اطاعت کرے گی ' اور ہر اس ترغیب یا تحریک کا مقابلہ کرے گی جس کا مقصد فوج کو سیاست کے خاردار میں الجھانا ہو۔

آخر میں ہم ملک کے عوام سے مخلصانہ اپیل کرتے ہیں کہ اب وقت آگیا ہے کہ اپنے مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنے ' استحصال پسند حکمرانوں سے نجات پانے اور پاکستان میں حقیقی معنوں میں اسلامی نظام نافذ کرنے کے لیے اپنی عملی جدوجہد تیز کر دیں۔ جماعت اسلامی آزمائش کی اس گھڑی میں الگ تھلگ رہنے کے بجائے اپنی بھرپور کوشش کرے گی کہ وہ قوم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے۔ ہمیں توقع ہے کہ ان بد دیانت ' بد عہد ' اور وعدہ فراموش افراد اور ان سیاسی اجارہ داروں کے بجائے ' جو اب تک سیاست پر چھائے رہے ہیں ' اب خاموش رائے دہندگان کی اکثریت اٹھے گی اور پورے ملک میں اپنی نمائندگی کا فریضہ ان ہاتھوں میں سونپے گی جو خدا ترس ' محب وطن اور مخلص ہوں۔ یہی وہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعے اس دلدل سے نکل کر ہم ترقی ' خوشحالی ' امن و امان اور روشن مستقبل کی جانب پیش قدمی کر سکتے ہیں۔

ترجمان القرآن کا یہ شمارہ حج کی مناسبت سے ایک خصوصی اشاعت کے طور پر تیار کیا گیا تھا۔ پاکستان کی سیاسی صورت حال کا ناگزیر تقاضا تھا کہ اشارات اسی مسئلہ پر قلم بند کیے جائیں۔ اب ہم ان تمام قارئین سے جو حج کی سعادت حاصل کرنے جا رہے ہیں یہ درخواست کریں گے کہ وہ اس مبارک موقع پر قبولیت دعا کے اوقات و مقامات میں وطن عزیز کے تحفظ اور امن و سلامتی ' یہاں احکام الٰہی کے جاری ہونے اور خوشحالی و ترقی کے لیے ضرور بالضرور دعا کریں۔

حکمت مودودی کے تحت ' مناسک حج کے بارہ میں مولانا مودودیؒ کا ایک بڑا ایمان افروز اور بصیرت انگیز مضمون شامل اشاعت ہے۔ یہ ایک خطبہ ہے جو انہوں نے حرم شریف میں ہی دیا تھا۔ " رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج وداع " کے عنوان سے آپؐ کے حج کا بیان احادیث و سیر کی کتب سے مرتب کر کے شامل کیا گیا ہے۔ راقم الحروف امید رکھتا ہے کہ اس